قسط نمبر۱

مولانا محمد شہاب الدین ندوی صاحب
ناظم فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ، بنگلور ۲۹

اسلام اور اکیسویں صدی : قاہرہ کانفرنس کی مفصل روداد

جدید چیلنجوں کے مقابلے کے لئے مسلمانانِ عالم متحد ہوجائیں

مصر کی اہمیت :- مصر وہ ملک ہے جس کی قرآن اور حدیث میں بہت زیادہ فضیلت آئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام حکمت میں اس کا خصوصی حیثیت سے تذکرہ کیا ہے اور ملک کا تعلق متعدد جلیل القدر انبیائے کرام سے ہونے کی بنا پر دینی وشرعی نقطہ نظر سے اس ملک کو انتہائی اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری زوجہ محترمہ حضرت ہاجرہ کا تعلق مصر ہی سے تھا۔ پھر وہ حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا ملجا وماویٰ بنا۔ قرآن میں ایک پوری سورۃ "یوسف" کے نام سے موسوم ہے جس میں ان کا قصہ تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ پھر اسی ملک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ جن کو فرعون کی ہدایت کیلئے مبعوث کیا گیا تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ جتنی تفصیل کے ساتھ قرآن میں موجود ہے اتنی تفصیل سے کسی دوسرے نبی کا تذکرہ نہیں ہے۔ اس قصہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ قرآن حکیم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ۱۳۶ بار اور فرعون کا تذکرہ ۷۴ بار آیا، اور مصر کا ذکر صریح لفظوں میں ۵ اور غیر صریح لفظوں میں ۲۵ سے زیادہ بار آیا ہے۔ اگر ان تمام مقامات کو جمع کر کے ان کی تفسیر کی جائے تو اس سے ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے۔ ان تمام وجوہات کی بنا پر ظاہر ہے کہ مصر صرف تاریخی اعتبار ہی سے نہیں بلکہ دینی وشرعی نقطہ نظر سے بھی ایک انتہائی اہم ملک ہے، جس کا قرآن حکیم سے براہ راست تعلق ہے۔

علمی وفکری تحریکوں کا مرکز :- ان خصوصیات کے علاوہ مصر دنیائے عرب کا قلب ودماغ بھی ہے۔ کیونکہ ہر قسم کی علمی وفکری، ثقافتی اور سیاسی تحریکیں یہیں سے برپا ہوتی ہیں، جن کا دنیائے عرب پر براہ راست اثر پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ علم وادب کا بھی بہت بڑا مرکز ہے، جہاں سے دینی واسلامی کتابیں بکثرت شائع ہوتی ہیں۔ نیز یہاں پر دنیائے اسلام کی سب سے قدیم اسلامی یونیورسٹی بھی ہے

جو جامع ازہر کے نام سے موسوم ہے، جس کو قائم ہوئے ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ اور یہاں پر تعلیم حاصل کرنے کے لئے پوری دنیا سے طلبہ امڈ امڈ کر آتے ہیں اور حکومت مصر بڑی فراخ دلی کے ساتھ بیرونی طلبہ کو اسکالرشپ دیتی ہے۔ چنانچہ خواہش مندوں کو اعلیٰ تعلیم کے لئے مصر بھیجنے کے سلسلے میں راقم سطور کو بھی سفارش کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

کانفرنس کا موضوع :۔ غرض راقم سطور کی ایک عرصے سے تمنا تھی کہ اس ملک کی زیارت کی جائے اور اسے قریب سے دیکھا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کا غیبی طور پر سامان پیدا کر دیا۔ مارچ ۹۸ء میں ہندوستان کے مصری سفارت خانے کے توسط سے وزارت الاوقاف مصر کا دعوت نامہ موصول ہوا، جس کے مطابق ۲۔۵ جولائی ۱۹۹۸ء کو قاہرہ میں منعقد ہونے والی دسویں اسلامی کانفرنس میں شرکت کے لئے مدعو کیا گیا تھا۔ یہ کانفرنس اصلاً "اسلامی امور کی مجلس اعلیٰ"

(المجلس الاعلی للشئون الاسلامیۃ) کی تنظیم کی جانب سے منعقد کی گئی تھی، جو وزارت الاوقاف کے ماتحت ہے۔ کانفرنس کا عنوان "اسلام اور اکیسویں صدی" (الاسلام والقرن الحادی والعشرون) تھا، جس کے حسب ذیل چار محوری موضوعات تھے :

(۱) اسلام اور تمدنی ارتقاء (۲) سیاسی میدان میں اسلامی کا عالمی موقف (۳) اقتصادی میدان میں اسلام کا عالمی موقف (۴) سائنسی ترقی کے میدان میں اسلامی کا عالمی موقف۔

پھر ان میں سے ہر عنوان کے تحت چار چار ذیلی عنوانات تھے، جن پر شرکائے کانفرنس کو مقالے لکھنے تھے اور ہدایات تھی کہ شرکاء اپنے پسندیدہ موضوع پر مقالہ ۱۵ مئی تک ادارہ مذکورہ کو بھیج دیں اور اس کی بھی صراحت تھی کہ مقالہ عربی یا انگریزی یا فرنچ میں ہو۔ راقم سطور نے اپنے لئے چوتھے عنوان کو منتخب کیا اور اپنا مقالہ عربی زبان میں تحریر کر کے اپریل ہی میں بھیج دیا، جس کا عنوان تھا "سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی اسلامی نقطہ نظر سے بہت ضروری ہے"۔ (التقادم فی العلم والتکنولوجیا ضرورۃ اکیدۃ من منظور اسلامی)۔

کانفرنس کا بنیادی مقصد :۔ اس کانفرنس کے انعقاد کا بنیادی مقصد جیسا کہ حسب بالا عنوانوں سے ظاہر ہوتا ہے اسلام کو اکیسویں صدی میں لے جانے کے لئے نئے دور کے تقاضوں کے مطابق عالم اسلام کو اس کے لئے تیار کرنا ہے اور داخلی و خارجی خطرات اور چیلنجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے بدلے ہوئے حالات میں اس کو متوازن و متحرک بنانا ہے۔ عالم اسلام چونکہ بقیہ دنیا کا ایک حصہ ہے اس لیے وہ بقیہ دنیا سے الگ تھلگ رہ کر زندگی گزار نہیں سکتا۔ کیونکہ آج ساری دنیا سائنس اور

ٹیکنالوجی میں عروج کی بدولت سمٹ کر ایک چھوٹے سے گاؤں کی طرح بن گئی ہے۔ لہذا اہل اسلام کو اس میدان میں پیش رفت کرتے ہوئے اپنا پارٹ ادا کرنا نہایت ضروری ہے، تاکہ وہ دیگر اقوام کے ساتھ مل جل کر زندگی گزارنے کے طورطریقے اپنا سکے۔ اس لئے اب یہ جائزہ لینا ضروری ہے کہ عالمی نقطہ نظر سے اسلام کی تمدن، سیاسی، اقتصادی اور سائنسی تعلیمات کیا ہیں اور وہ جدید اور بدلے ہوئے حالات میں ملت کی کس طرح رہنمائی کرسکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اسلام ایک ابدی اور دائمی مذہب ہے جو قیامت تک ہر دور میں اہل اسلام کی رہبری کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لہذا موجودہ حالات میں اسلامی تعلیمات کی تطبیق عصری نقطہ نظر سے بہت ضروری ہے تاکہ اسلام کو زندہ اور ابدی مذہب ثابت کیا جاسکے اور اس پر قدامت و کہنگی یاد قیانو سیت کا الزام عائد نہ ہو۔ اسی غرض سے منتظمین کانفرنس نے عالم اسلام کے علاوہ یورپ، امریکہ اور دیگر ممالک کے اسلامی مفکرین اور اسکالروں کو بھی اس کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی تھی۔ اور یہ کانفرنس گذشتہ دس سالوں سے مسلسل میلادالنبی صلعم کے موقع پر قاھرہ میں منعقد ہوتی آرہی ہے اور ہر سال ایک نیا موضوع رکھا جاتا ہے چنانچہ گذشتہ سال کانفرنس کا موضوع "اسلام اور مغرب: ماضی، حال اور مستقبل" تھا اور اس سے پیوستہ سال اس کا موضوع "اسلام اور تمدن کا مستقبل" تھا۔

<u>مصر کے لئے روانگی</u>:- اس عظیم الشان اور بین الاقوامی کانفرنس میں شرکت کے لئے یکم جولائی ۱۹۹۸ء کو دلی سے روانگی طے تھی اور اس دوران مصری سفارت خانے کے علاوہ مصر کی مجلس اعلیٰ سے بھی رابطہ برابر قائم رہا۔ چنانچہ وسط جون میں اطلاع ملی کے مجھے دلی پہنچ کر امارات (ہوائی سرویس) کے دفتر سے میرے لئے مختص ہوائی جہاز کا ٹکٹ اور مصری سفارت خانے سے ویزا حاصل کرلینا چاہئیے۔ لہذا راقم سطور ۲۸ جون کو دہلی پہنچا اور ۲۹ کو ٹکٹ اور ویزا دونوں چیزیں حاصل کرلیں۔ پھر ۳۰ جون اور یکم جولائی کی درمیانی رات کو اندراگاندھی انٹرنشنل ایئرپورٹ سے میرا سفر براہ دبی فلائٹ نمبر EK 703 کے ذریعے ساڑھے پانچ بجے (ایک گھنٹہ تاخیر سے) شروع ہوا اور ڈھائی گھنٹے کی اڑان کے بعد ہمارے جہاز نے دبی انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر لینڈ کیا۔ اس وقت ہندوستانی وقت کے مطابق آٹھ بجکر دس منٹ ہورہے تھے۔ یہاں سے ایک دوسرے طیارہ (طیران مصر فلائیٹ نمبر MS 913) کے ذریعے دبی کے وقت کے مطابق دوپہر تین بجے قاھرہ کے لئے روانگی طے تھی۔ دبی کا وقت ہندوستانی وقت سے ڈیڑھ گھنٹہ پیچھے ہے۔ اس لئے دبی ایئرپورٹ پر مجھے تقریباً ۹ گھنٹے رکنا پڑا۔ اس دوران ٹرانزٹ والوں کے لئے ناشتہ اور کھانا امارات والوں کی جانب سے مہیا کیا

گیا۔ دہلی میں آج کا درجہ حرارت ۴۴ ڈگری تھا۔ مگر ائیرپورٹ ایرکنڈیشن ہونے کی وجہ سے ہم پر باہر کی گرمی کا کوئی اثر نہ تھا۔

قاہرہ ائیرپورٹ پر :- مصر کی دید کے لئے دل بیتاب تھا اور صبر کی گھڑیاں طویل ہوتی جارہی تھیں۔ انتظار کرتے کرتے بالآخر ہمارے طیارے (MS 913) نے وقت مقررہ سے کچھ تاخیر کے ساتھ عرہ کے لئے اڑان بھری تو جان میں جان آئی اور جب طیارے نے ساڑھے تین گھنٹے کی مسافت طے کر کے قاہرہ ائیرپورٹ پر لینڈ کیا تو دل بلیوں اچھلنے لگا اور آتش شوق بھڑک اٹھی۔ سورج غروب ہونے میں ابھی کافی وقت تھا اور اس کی روپہلی کرنیں ماند پڑچکی تھیں اور وہ ایک سرخ ٹکیہ کی طرح افق پر اس طرح دکھائی پڑرہا تھا گویا کہ اس کی ساری تپش ختم ہوچکی ہو اور اس میں کوئی دم خم باقی نہ رہ گیا ہو۔ قاہرہ کا وقت دہلی سے ایک گھنٹہ اور ہندوستانی وقت سے ڈھائی گھنٹے پیچھے ہے۔ قاہرہ میں آج کا درجہ حرارت ۳۴۔ ۳۵ ڈگری سلیسیس رہا جو بنگلور سے زیادہ اور دہلی ودبی سے بہت ہی کم تھا۔ اس کانفرنس میں شرکت کے لئے ہندوستان سے میرے علاوہ ڈاکٹر طاہر محمود بھی اسی طیارے سے سفر کررہے تھے۔ موصوف دہلی یونیورسٹی کے شعبہ قانون کے پروفیسر اور ڈین ہونے کے علاوہ حکومت ہند کے اقلیتی کمیشن کے چیئرمین بھی ہیں۔ مگر ہم دونوں کی ملاقات قاہرہ ائیرپورٹ پہنچنے کے بعد ہی ہوئی اور ہم دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ کیونکہ کئی سال پہلے موصوف سے بنگلور میں میری ملاقات ہوچکی تھی۔ قاہرہ ائیرپورٹ پر ہم دونوں کے استقبال کے لئے کانفرنس کے ایک عہدیدار کے علاوہ ہندوستانی سفارت خانہ برائے مصر کے قائم مقام سفیر جناب اشوک کمار بھی موجود تھے۔ ہم دونوں کو حکومت مصر کا معزز مہمان ہونے کی حیثیت سے فوراً ایک استقبالیہ کمرے میں بٹھا کر ہمارا سامان ڈھونڈھ نکالا گیا۔ اور اس کے لئے ہمیں کوئی زحمت نہ کرنی پڑی اور کسی قسم کے کسٹم سے بھی واسطہ نہ پڑا۔ اس دوران جناب اشوک کمار سے ہمارا تعارف ہوا اور میں نے انہیں اپنی بعض تازہ انگریزی کتابیں پیش کیں۔

قاہرہ کی ایک جھلک :- ائیرپورٹ میں داخلہ کے مقام پر ایک قرآنی آیت جلی حرفوں میں لکھی ہوئی تھی جس کا مفہوم یہ ہے: "تم سب مصر میں اگر اللہ نے چاہا تو امن وامان کے ساتھ داخل ہوجاؤ" (یوسف: ۹۹)۔ یہ بات حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین اور بھائیوں سے کہی تھی، جب کہ وہ اپنے وطن کنعان (موجودہ فلسطین) کو خیرباد کہہ کر مصر کو وطن ثانی بنانے کی غرض سے مصر چلے آئے تھے۔ یہاں سے ہمیں وزارۃ الاوقاف کی جانب سے مہیا کردہ ایک ایرکنڈیشن بیوک کار کے ذریعہ ہوٹل ماریٹ (فندق ماریوت) لے جایا گیا، جو ایرپورٹ سے آٹھ دس کلومیٹر دور دریائے

نیل کے کنارے ایک عالی شان فائیو اسٹار ہوٹل ہے۔ جس سڑک سے ہمارا گزر ہوا وہ نہایت کشادہ، دور دیہ اور صاف ستھری تھی۔ ہر طرف بلند و بالا عمارتوں کا ایک جال سا نظر آیا۔ راستے میں ہمیں عباسیہ (ایک مقام) قاہرہ ریلوے اسٹیشن اور " میدان رمسیس " وغیرہ دکھائی دیئے۔ یہاں پر چوک یا سرکل کو " میدان " کہا جاتا ہے اور رمسیس (RAMSES) فرعون کا نام ہے، جس کا ایک بڑا مجسمہ اسکے نام والے میدان میں نصب ہے اور یہ مقام قاہرہ کا قلب ہے جو دریائے نیل سے قریب ہے۔ دریائے نیل شہر کے بیچوں بیچ واقع ہے اور دونوں کناروں کو ملانے کیلئے بہت سے پل موجود ہیں اور یہ علاقہ انتہائی خوبصورت اور قاہرہ کی جان ہے۔ دریائے نیل کے دونوں طرف بلند و بالا عالی شان فائیو اسٹار ہوٹل واقع ہیں جو بیس بیس اور تیس تیس منزلوں پر مشتمل ہیں۔ ڈرائیور سے راستے بھر عربی زبان میں خوب باتیں ہوتی رہیں۔ اور ہم جن مقامات سے گزر رہے تھے وہ انکی تفصیل بتارہا تھا۔ راستے میں اونچے اونچے میناروں والی متعدد عالی شان مسجدیں بھی نظر آئیں، جنمیں سے ایک عباسیہ علاقے کی مسجد النور بھی تھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ یہاں کی سب سے زیادہ شاندار مسجد ہے۔ راستے بھر ہم کو بہت سے اوور فلائی بھی ملے جن پر ٹریفک اپنی پوری رفتار سے جاری تھی۔

ہوٹل ماریٹ میں:- غرض ہم راستے بھر شہر کے خوبصورت علاقوں سے گزرتے ہوئے اپنی منزل (ہوٹل ماریٹ) پہنچے۔ یہاں پر کانفرنس میں شریک ہونے والے بیرونی مندوبین کی چہل پہل نظر آئی۔ ہوٹل کا استقبالیہ وسیع ہال اور برآمدہ لوگوں سے بھرا ہوا تھا اور یہ پورا ماحول مغربی طرز کا لگ رہا تھا۔ مگر اس ہجوم میں بعض مشرقی تہذیب کے نمائندے بھی نظر آئے جو باریش اور نورانی چہروں والے تھے۔ ان سے علیک سلیک اور باہمی تعارف ہوا۔ ان میں سے ایک اٹلی میں واقع ایک اسلامی تنظیم کے صدر مسٹر عبدالواحد اور دوسرے جنوبی آفریقہ کی جمعیت العلماء کے صدر جناب عباس علی جینا تھے۔ موخرالذکر خوش قسمتی سے میرے ندوہ کے معاصر بھی نکلے، چنانچہ ۱۹۶۱ء میں ندوہ میں میرا اور ان کا ساتھ رہا۔ پھر وہ دیوبند چلے گئے۔ موصوف اردو اور انگریزی سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اور جوہانس برگ (جنوبی افریقہ) سے انگریزی میں ایک اخبار بھی نکالتے ہیں۔ ان سے مل کر طبیعت بہت مسرور ہوئی کہ پہلے ہی مرحلے میں ایک قدیم شناسا سے ملاقات ہوگئی۔ ہوٹل پہنچنے کے بعد ہمارا سامان ایکسرے مشین کے ذریعہ چیک کرکے اندر پہنچایا گیا۔ پھر منتظمین کانفرنس نے ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور تھوڑی سی کاروائی کے بعد مجھے کمرہ ۱۰۶۲ اور ڈاکٹر طاہر محمود کو ۱۱۳۷ الاٹ کیا گیا، جو بہت زیادہ پرتکلف اور جملہ لوازمات سے آراستہ تھے۔ مہمانوں کو رات کا کھانا ایک ہال میں کھلایا گیا۔ اس میں انواع واقسام کے اور نہایت درجہ پرتکلف کھانے موجود تھے اور مہمانوں کو پوری طرح چھوٹ تھی کہ اپنے لئے جو چیز چاہے منتخب کرلیں۔ ایک طرف کھانے رکھے ہوئے تھے اور دوسری طرف میز کرسیاں

سجی ہوئی تھیں ۔ ہوٹل کی دسویں منزل سے (جس میں راقم سطور کا کمرہ واقع تھا) دریائے نیل کا نظارہ دیکھنے کے قابل تھا جو روشنیوں میں نہایا ہوا ایک خوابناک منظر پیش کررہا تھا۔اس البیلے منظر کو دیکھ کر طبیعت مسحور ہوگئی اور میں خوابوں کی دنیا میں کھوگیا۔ایسا محسوس ہورہا تھا گویا کہ میں الف لیلوی ماحول میں پہنچ گیا ہوں ۔ مگر فوراً ہی متنبہ ہوا کہ یہ سب کچھ فانی دنیا کی چکاچوند اور چاردن کی چاندنی ہے ۔ جب یہ دنیا اجڑجائے گی تو یہاں پر کچھ بھی باقی نہیں رہے گا ، سوائے ذات باری تعالیٰ کے ۔ (رحمان : ۲۶)۔ دریائے نیل وہ علاقہ ہے جہاں پر بیرونی سیاحوں کا ہجوم نظر آتا ہے ۔ راتوں میں یہاں کا ماحول بڑا ہی سہانا اور دلفریب بن جاتا ہے ، جو افسانوں کو جنم دیتا ہے ۔ یہاں پر مصریوں کا دل دھڑکتا ہے اور زندگی مچلتی ہے ۔ ہوٹل ماریٹ سے متصل ایک وسیع اور آراستہ پیراستہ چمن میں ٹیبل کرسیاں سجی ہوئی دیکھیں ، جہاں پر لوگ جھلملاتی روشنی میں بیٹھ کر کھانا کھارہے تھے ۔ یہاں پر ایک وقت کا کھانا کھانے کیلئے ساٹھ مصری پاؤنڈ (تقریباً سات سو روپے) فی کس خرچ کرنے پڑتے ہیں ۔

<u>کانفرنس کا آغاز</u> :- ہوٹل ماریٹ (MARRIOT) ایک شاندار پانچ ستارہ ہوٹل ہے جو بیس منزل ہے ۔ اور اس کے دوونگ ہیں ، جن کے درمیان ایک عظیم الشان کانفرنس ہال ہے ، جو تقریباً ۱۵۰ لمبا اور ۶۰ ۔ ۷۰ فٹ چوڑا ہے اور اتنا بڑا ہال بغیر ستونوں کے قائم ہے جو جدید انجینئرنگ کا ایک کمال ہے ۔ ہال میں ایک طرف اسٹیج تھا جس کے سامنے یو (U) شکل میں مندوبین کے لئے ٹیبل کرسیاں سجائی گئی تھیں اور ہر مندوب کے سامنے متعلقہ ملک کا جھنڈا لہرا رہا تھا اور ساتھ ہی ایک مائیکرو فون بھی رکھا ہوا تھا ۔ تمام مندوبین کو حروف تہجی سے شروع ہونے والے پہلے حرف کی مناسبت سے بالترتیب بٹھایا گیا تھا ۔ اور اس اعتبار سے سب سے پہلا ملک "اثیوبیا" (ایتھوپیا) اور سب سے آخری یوگوسلاویہ تھا ۔ یوگوسلاویہ سے پہلے یمن اور اس سے متصل الھند یعنی ہندوستان تھا ، جہاں پر میں اور ڈاکٹر طاہر محمود بیٹھے تھے ۔

اس کانفرنس میں دنیا کے تقریباً تمام اہم ملکوں کو نمائندگی دی گئی تھی اور دنیائے اسلام کے علاوہ یورپ ، امریکہ ، افریقہ اور چین وغیرہ کے نمائندے بھی موجود تھے ۔ کل ۷۰ ملکوں کے دوسو نمائندے شریک تھے ، جن میں بیس مختلف ممالک کے وزراء بھی تھے ۔ پورا ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور بہت سے لوگوں کو (جو غالباً مقامی تھے) کھڑا ہونا پڑا تھا ۔ اسٹیج پر صدر جلسہ ڈاکٹر محمود حمدی زقزوق ، وزیر اوقاف مصر اور صدر مجلس اعلیٰ برائے امور اسلامی کے علاوہ شیخ الازہر ڈاکٹر محمد سید طنطاوی ، سعودی عرب کے وزیر برائے امور اسلامی ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن ترکی ، اسکندریہ کے پوپ "باباشنودہ ثالث" اور دیگر کئی معززین براجمان تھے ۔ ٹی وی کیمروں اور فوٹوگرافروں کی بھرمار تھی جو

مختلف زاویوں سے معزز مہمانوں کی تصویریں لے رہے تھے۔

کانفرنس کا افتتاحی جلسہ :- ۲ جولائی کی صبح بروز جمعرات مصری وقت کے مطابق ساڑھے نو بجے (ہندستانی ۱۲ بجے افتتاحی جلسے کا آغاز ایک مصری قاری کی قراءت سے ہوا۔ اس کے بعد مجلس اعلیٰ کے نائب صدر ڈاکٹر عبدالصبور مرزوق کی افتتاحی تقریر ہوئی، جس میں انہوں نے کانفرنس کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ آج ہم اکیسویں صدی کی دہلیز پر کھڑے ہیں اور آج سارا عالم سمٹ کر ایک عالمی قریہ بن گیا ہے جس میں چھوٹی چھوٹی قومیں منظر سے غائب ہوتی جارہی ہیں اور بڑی طاقتوں کی اجارہ داری قائم ہورہی ہے اور اس کا سب سے زیادہ اثر تیسری دنیا اور خاص کر مسلمانوں پر پڑا ہے۔ لہذا اس نئے منظرنامے میں اہل اسلام کا کیا رول ہونا چاہئیے اور وہ اپنا وجود اور اپنی شناخت برقرار رکھنے کیلئے دوسری قوموں کے ساتھ کس طرح اور کس حدتک تعامل کرسکتے ہیں؟ یہ وقت کا سب سے اہم مسئلہ ہے اور یہ کانفرنس اسی مقصد کےلئے بلائی گئی ہے کہ ہم اپنے ماضی کا شعور رکھتے ہوئے ایک اچھے مستقبل کی تعمیر کس طرح کریں؟ واقعہ یہ ہے کہ مغربی استعمار نے انیسویں اور بیسویں صدی میں تیسری دنیا اور خاص کر اسلامی دنیا پر بہت زیادہ ظلم ڈھائے ہیں اور اس نے ہماری خام پیداوار اور قدرتی وسائل کو تباہ کرکے رکھ دیا ہے اور ایشیائی وافریقی ممالک کو جی بھرکر لوٹا ہے۔ نیز یہاں کے لوگوں کو اپنے مفاد کےلئے سوائے کلرک اور خادم بنانے کے اور کچھ نہیں کیا ہے۔ حالانکہ اقوام متحدہ نے ۱۹۲۰ء میں استعماریت کے خاتمے کا اعلان کردیا ہے۔ مگر اس کے باوجود استعمار ابھی تک رخصت نہیں ہوا ہے بلکہ اب وہ ثقافتی حملوں کے ذریعہ لوگوں کے افکار وعقائد پر چھایا ہوا ہے۔ عالمی پیمانے پر گرم اور سرد جنگ کے خاتمے اور سوویت یونین کے سقوط کے بعد اب مغرب اسلام کو اپنا "سبز دشمن" تصور کرتا ہے۔ جس نے بقول سابق امریکی صدر نکسن سوویت یونین کی جگہ لےلی ہے۔

آج ہم سوپر کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور ہمہ جہتی "معلومات" کے ایک انقلابی دور میں داخل ہوچکے ہیں، جو آج امن وسلامتی کی بشارت سنارہا ہے اور بلند آہنگی کے ساتھ انسانی حقوق اور سیاست و ثقافت کے درمیان مفاہمت کی بات کرتا ہے۔ اسی امید پر ہم نے گذشتہ سال "اسلام اور مغرب" کے موضوع پر کانفرنس بلائی تھی۔ آج ہم اکیسویں صدی کو دستک دے رہے ہیں، جب کہ حال یہ ہے کہ آج واقعتاً تہذیبوں کا مقابلہ چل رہا ہے۔ لہذا آج ہم کو نئے دور میں داخل ہونے کےلئے سب سے پہلے اپنے گھر کو درست کرنا ہوگا۔ پھر موجودہ دور کے تقاضوں کو سمجھ کر آگے بڑھنا ہوگا۔ کیونکہ حسب ارشاد الٰہی "عزت" اللہ اور اس کے رسولؐ اور اہل ایمان کےلئے ہے۔

وزیر اوقاف کی تقریر :- کانفرنس کے صدر ڈاکٹر حمدی زقزوق نے اپنی تقریر میں کہا کہ عالم اسلام ہماری دنیا ہی کا ایک حصہ ہے جس میں ہم زندگی بسر کررہے ہیں ، لہذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم نئی صدی میں داخل ہونے کی استعداد پیدا کریں تاکہ ہم عالمی اور مہذب قافلے سے پیچھے نہ رہیں اور یہ امرعمارے داخلی اور خارجی چیلنجوں پر قابو پانے کا مطالعہ کرتا ہے ۔ چنانچہ آج ہماری ملت متعدد ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے جو ہمیں اقوام عالم کے ساتھ تعاون کرنے اور اپنی پس ماندگی کو دور کرنے میں مانع ہے ۔ اس کے علاوہ بعض اسلامی ملکوں میں ناخواندگی کی کثرت اور دہشت پسندی بھی پائی جاتی ہے اور اس صورت حال کی بنا پر اسلام پر حرف آتا ہے ۔ موصوف نے خارجی چیلنجوں کے بارے میں بتایا کہ بیسویں صدی کے نصف اخیر اور خاص کر آخری دہے میں بعض اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں جن میں سب سے اہم سابق سوویت یونین کا زوال اور ایک واحد سپر پاور کا ظہور ہے اور آج مغرب میں غیرمناسب طور پر یہ خوف پھیل گیا ہے کہ اسلام سوویت یونین کی جگہ لے چکا ہے۔ جو عالمی تہذیب کیلئے ایک خطرہ ہے ۔ لہذا اب ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کیلئے ٹھوس اقدام کرنے کی ضرورت ہے ۔ تاکہ تہذیبی کش مکش کے بجائے تہذیبی تعاون کی راہ استوار ہوسکے اور عالم اسلام ، عالمی ترقیوں کی راہ میں ہر سطح پر شریک ہوکر پوری دنیا کی بھلائی میں معاون بن سکے ۔

انچہ یہ کانفرنس حسب ذیل چار بنیادی مسائل سے متعلق ہے : اسلام کا عالمی موقف تمدن ، سیاست ، اقتصاد اور سائنس کی ترقی کے بارے میں کیا ہونا چاہئیے ؟ ۔

شیخ الازھر کی تقریر :- جامع ازہر کے شیخ ڈاکٹر محمد سید طنطاوی نے افتتاحی اجلاس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم اکیسویں صدی میں اسلام اور علم دونوں کو ساتھ لےکر داخل ہوں گے ۔ اسلام ہر دور میں علم، عدل اور زندگی کو ساتھ لےکر چلنے اور زندگی کے تمام میدانوں میں اپنی کارکردگی دکھانے کی تاکید کرتا ہے ۔ آج دنیا سکڑکر ایک چھوٹے سے شہر کی طرح بن گئی ہے ۔ لہذا اسلام موجودہ دور میں ہر قسم کی ترقی کا خیرمقدم کرتا ہے جب تک کہ یہ ترقی انسانیت کی بھلائی کےلئے ہوتی رہے اور ایسی ترقی اسلام سے متصادم نہیں ہوسکتی ۔ کیونکہ اسلام نے علم اور سائنس کی ترقی پر زور دیا ہے ۔ لہذا مسلمانوں کو اس میدان میں ہر مفید کام میں دوسروں پر سبقت لے جانا چاہئیے اور امت مسلمہ کو بیدار کرنے کےلئے اس کے درمیان پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کرنا چاہئیے ، تاکہ وہ اقوام عالم کی قیادت صحیح طور پر کرنے کے قابل بن سکے ۔ موصوف نے آخر میں ایک قرآنی آیت (انفال : ٢٠) پیش کی جس کے مطابق مسلمانوں کےلئے طاقت کا حصول جنگی پیمانے پر ضروری ہے۔

محمد حسنی مبارک کا پیغام :- جمہوریہ مصر کے صدر جناب حسنی مبارک نے اپنے پیغام میں ۔

جسے وزیر اوقاف نے پڑھ کر سنایا۔ کہا کہ ہم ایک ایسے دور سے گزر رہے ہیں جس میں مختلف ممالک ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہوکر نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ موجودہ دور ایک " عالمی گاؤں" کی طرح ہے جو ایک دوسرے سے تعاون کئے بغیر باقی نہیں رہ سکتا۔ عزلت اور گوشہ نشینی کے لئے اس دور میں کوئی جگہ نہیں ہے ورنہ اس کا لازمی نتیجہ مصالح کا ضیاع ہوگا اور سائنسی معلومات سے فائدہ نہ اٹھانے کی بنا پر سراسر نقصان ہوگا۔ آج جب کہ پوری دنیا اکیسویں صدی میں جانے کی تیاری کر رہی ہے تو آج عالم اسلام کے سپوتوں کو، جو دنیا کی پوری آبادی کا پانچواں حصہ ہیں۔ چاہئیے کہ وہ اپنی ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا کریں۔ لہذا آج دنیا کے تمام مسلمانوں کو پورے عزم واستقلال کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے پر کمرکس لینی چاہئیے اور خود کو سائنس اور ٹیکنالوجی سے مسلح کر کے حالات حاضر کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ لہذا ہم کو اپنے تمام باہمی اختلافات ترک کر کے ایک وسیع حکمت عملی کے ساتھ کام کرنا ضروری ہے تاکہ اس سے نئے دور میں عالم انسانی کا تحفظ ہوسکے اور ان مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے حسب ذیل اقدامات ضروری ہیں:

(۱)۔ اسلامی گھر کو اندرونی طور پر نئے سرے سے آراستہ کرنا ہے۔

(۲)۔ آج حقیقی قوت عسکری تیاری میں نہیں، بلکہ علمی (سائنسی) قوت کا حصول، منصوبہ بندی اور جدید ترین دریافتوں سے استفادہ ہے۔

(۳)۔ امت مسلمہ کو دھمکانے اور اسے معطل کرنے والی تمام طاقتوں پر قابو پانے کی ضرورت ہے

(۴)۔ اسلام کے بارے میں داخلی اور خارجی طور پر پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کرنا ہے۔

(۵)۔ اسلام صرف عقیدہ و شریعت کا نام نہیں بلکہ ان کے ساتھ ساتھ وہ اخلاق، تہذیب اور انسانی اقدار کا بھی مجموعہ ہے اور اسلام طلب علم کو ایک فریضہ قرار دیتا ہے جس کا مطلب صرف دینی علم نہیں بلکہ دنیوی علم بھی ہے۔ اسی علم کے ذریعہ انسان زمین پر خلیفہ بن کر اس کائنات کی ہر چیز کو مسخر کرسکتا ہے۔ لہذا آج دنیا کے سامنے اسلام کی حقیقی تصویر پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی غرض سے " اسلامی امور کی مجلس اعلیٰ " (المجلس الاعلی للشؤن الاسلامیة) نے گذشتہ دو کانفرنسیں: (۱) اسلام اور تہذیب کا مستقبل (۲) اسلام اور مغرب، کے موضوعات پر منعقد کی ہیں۔ چنانچہ اسلام اپنا ہاتھ پوری کشادہ اور پورے شعور کے ساتھ بڑھاتے ہوئے دنیا کی تمام قوموں کے ساتھ گفتگو اور تعاون کرنا چاہتے ہے، تاکہ اس کے نتیجے میں پوری انسانیت کا بھلا اور امن وسلامتی کا دور دورہ ہو۔ اسی لئے یہ کانفرنس اپنے داخل کی طرف توجہ کرتے ہوئے مسلم قوموں سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اپنی طاقتوں اور اپنے وسائل کو عالم اسلام کے عروج اور اس کی ترقی کے لئے مجتمع

کریں۔ ہم نہ تو کسی خاص قومیت کے داعی ہیں اور نہ فرقہ بندی اور تفوق پسندی کی دعوت دیتے ہیں۔ اسی طرح ہم دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ ہمارا مقصد صرف منزل مقصود کی تحقیق واثبات ہے تاکہ امت مسلمہ مثبت اور فعالی طور پر ہماری اطراف کی دنیا اور اسکی مشکلات کو حل کرنے میں جٹ جائے اور وہ بلا استثناء تمام قوموں کی بہبود کےلئے کام کرے۔

مصر میں عیسائیوں کا احترام :- اس کانفرنس کے افتتاحی جلسے میں سعودی عرب کے وزیر برائے اسلامی امور ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن ترکی اور اسکندریہ کے بطریق " باباشنودہ ثالث" نے بھی خطاب کیا اور بعض اہم نکات پر روشنی ڈالی۔ مؤخرالذکر کو اس کانفرنس میں شرکت کےلئے خصوصی طور پر دعوت دی گئی تھی اور انہیں احترام کے ساتھ اسٹیج پر بٹھایا گیا تھا، تاکہ اس سے مغربی پروپیگنڈہ کا توڑ ہوسکے کہ مسلم ممالک میں عیسائی اقلیتیں محفوظ نہیں ہیں۔ واضح رہے مصر کی غالب اکثریت (نوے فیصد سے زیادہ) مسلمانوں پر مشتمل ہے اور صرف چندنی صد عیسائی پائے جاتے ہیں۔ مگر انہیں پورے شہری حقوق حاصل ہیں۔ نیز یہ کہ عیسائیوں کا پرسنل لا تک الگ تحریری طور پر موجود ہے اور حکومت اس میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرتی۔ اس سلسلے میں تاریخی طور پر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ مسلم ادوار میں غیر مسلموں کے حقوق باقاعدہ اور منظور شدہ تھے، جن کی تفصیل فقہ قدیم ترین کتابوں میں بھی موجود ہے۔ (جاری ہے)

بقیہ ص۲۹ سے: کفر کے لیے اصل خطرہ

ان کو موقع مل جائے کہ وہ اسکی مخالفت کریں میں کہتا ہوں کہ قرآن وسنت کسی کی تائید کا محتاج نہیں اور پھر ان لوگوں کی تائید جو امانت، دیانت، شجاعت سے عاری ہیں۔ اسلام بل پاس ہونے سے نہیں آتا ہے بلکہ انقلاب سے آئے گا۔ پھر آپ کو میدان میں آنا پڑے گا۔ اور اسکے لئے فضائز بنانی ہوگی اور یہی بل جو جمہوری اسمبلی کا پاس شدہ ہو ہم ان ہی ممبران کے مقابلے میں اٹھائینگے اور ان کو کہیں گے کہ آپ جو کام کررہے ہیں یہ غلط ہے اور آپ ہی کی آئین میں یہ لکھا ہے کہ قرآن وسنت ملک کا سپریم لاء ہے۔ تو یہ پہلا انقلاب ہوگا جو اپنے ملک کے آئین کے ذریعے آئے گا۔ انہوں نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ سی ٹی بی ٹی پر دستخط موت کے پروانہ پر دستخط ہے۔ وہ اس لیے کہ ہمیں قرآن اسی پر دستخط کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے۔